© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر (گزشتہ سے پیوستہ)

پارلیمنٹ اور تعبیرِ شریعت

(بسلسلہ اقبال اور اجتہاد)

علامہ اقبالؒ کے حوالے سے "پارلیمنٹ اور اجتہاد" کے موضوع پر جو مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کیے جا رہے ہیں، ان پر محض دماغ سوزی سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ بات تو وہی قابلِ قبول ہو گی جس کے پیچھے قوی دلائل موجود ہوں گے ـــــ چنانچہ سابقہ گزارشات میں اس سلسلہ کی تمام تر تفصیلات سمیت ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اگر ائمہ سلف (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی تقلید بُری شے ہے، تو یہی شے علامہ اقبال کا نام آ جانے سے قابلِ تعریف کیونکر ہو جائے گی؟ ـــــ کیا خود علامہ اقبال، جو تقلید کے بجائے اجتہاد پر زور دیتے رہے، اپنی تقلید پر راضی ہو سکتے تھے؟

بہر صورت پارلیمانی اجتہاد کے موضوع پر مذکورہ نظریات (جن کی تفصیل شمارہ اگست کے فکر و نظر کی ابتدائی سطور میں دیکھی جا سکتی ہے) کی صحیح تنقیح بہت ضروری ہے۔ لہٰذا امر زیرِ بحث میں درج ذیل نکات کو پیشِ نظر رکھنا مفید رہے گا ـــــ ان شاء اللہ!

۱۔ پارلیمانی اجتہاد سے مقصود، پہلی مدون فقہوں پر کسی نئی تدوین کا اضافہ ہے یا کسی نئی فقہ کو قانونی حیثیت دے کر لوگوں کو اس کا پابند بنانا؟ ـــــ جسے عربی میں "تقنین" کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ کیا انفرادی تدوین سے اجتماعی تدوین کا تقابل کرتے ہوئے تقلیدِ شخصی سے پارلیمانی تقلید کی طرف ارتقاء ——— یا بالفاظِ دیگر مصطفےٰ کمال پاشا کے نئے ترکی کے اجتہاد کی بناء پر خلافت کے بجائے منتخب اسمبلی کی اتھارٹی ثابت کی جا سکتی ہے ؟

۳۔ فقہی تقلید اور اولی الامر کے احکامات کی پابندی میں کیا فرق ہے ؟

۴۔ پارلیمنٹ میں مختلف فقہی نمائندوں کی حیثیت یا ماہرینِ قانون و شریعت کی مشاورتی کونسل کے کیا اختیارات ہونے چاہئیں ؟

۵۔ آئینی اعتبار سے شریعت بل اور نویں آئینی ترمیم کے حوالے سے پارلیمنٹ اور وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات کا توازن کیا ہے ؟

مذکورہ بالا نکات میں سے اکثر پر ہم اجمالی گفتگو کر چکے ہیں، تاہم تاریخی تسلسل سے موجودہ اسلامی دنیا میں پائے جانے والے افکار کا مثالوں کے ساتھ تجزیہ بھی مناسب رہے گا، تاکہ بات مزید واضح ہو جائے اور پاکستان میں زیرِ بحث شریعت بل اور نویں آئینی ترمیم کے بارے میں اختلاف کی اصل نوعیت بھی سامنے آ جائے۔ چنانچہ اب ہم ترتیب وار ان نکات پر روشنی ڈالیں گے :

۱ ——— پہلا نقطہ تدوینِ فقہ کا ہے ——— اس سلسلہ میں بہت بڑا مغالطہ لفظِ "تشریع" سے ہوتا ہے، جو جدید عربی زبان میں قانون سازی کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس لفظ کا عمومی استعمال سیکولر قانون کے بالمقابل دین و شریعت کو قانونی حیثیت دینے کے مطالبہ میں ملتا ہے ——— تاکہ جس طرح سرکاری سطح پر قانون نافذ العمل ہو کر حکومت و رعایا کے لئے واجب التعمیل قرار پاتا ہے، اسی طرح شریعت کے احکام کو بھی یہی حیثیت مل جائے ——— تاہم سیکولرسٹوں کے پاس اس کے خلاف بہت بڑا حربہ یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں شریعت کی دفعہ وار تدوین کا مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں کہ جب تک احکامِ شریعت قانون کی طرح دفعہ وار مرتب نہ ہوں، ان کا نفاذ جدید دور میں ممکن نہیں ! ——— یوں بظاہر وہ شریعت کا انکار کرنے کی بجائے نفاذِ شریعت میں ایک ایسے خلا کا عذر پیش کرتے ہیں کہ جس کی تکمیل کے دوران انہیں اس بات کی امید ہوتی ہے کہ مسلم دانش ور اور فقہاء اسی میں اُلجھ کر رہ جائیں گے، اور اگر ایک عرصہ کی محنتِ شاقہ اور جذبۂ مفاہمت کے باوجود یہ کام ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی گیا تو بہرحال یہ ایک انسانی محنت ہوگی کہ جس میں حالات کی تبدیلیوں سے مفاہمت کے اطوار بھی بدلتے رہیں گے۔ لہٰذا اس کی حیثیت دائمی نہ ہوگی۔ چنانچہ ہر دم تغیر کی ضرورتوں سے جہاں شریعت کا تقدس مجروح ہوگا، وہاں ہر لحظہ یہ شکوک و شبہات کا مظہر بھی بنے گی، ——— اور یوں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ اپنے ہی الجھاؤ میں محض نعرہ کی حد تک محدود رہے گا، پھر اسی بناء پر شریعت کو بدنام کرنا بھی آسان ہوگا کہ دورِ جدید میں نفاذِ شریعت کے فوائد حتمی نہیں ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ شریعت کی دفعہ وار تدوین کا مسئلہ کھڑا کرنا درحقیقت نفاذِ شریعت سے بچنے کی ایک کوشش ہے ——— تاہم مسلمان ایک عرصہ سے اس چیلنج کا مقابلہ بھی کرتے چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱۸۷۶ء کے بعد سے لے کر اب تک مختلف اسلامی ملکوں میں اس سلسلہ کے متعدد مجموعے تیار کئے گئے جن میں سے اکثر تو اپنے اپنے ملک کے لئے تھے، لیکن بعض اجتماعی کوششیں ایسی بھی ہوئیں کہ جن کا مطمح نظر پوری دنیائے اسلام کے لئے دستور العمل تیار کرنا تھا ——— اس سلسلہ میں ماضی قریب میں مصر میں اٹھارہ رکنی کمیٹی کے تیار کردہ ایک دستوری خاکہ کی مثال دی جاسکتی ہے، جو کمیٹی کے ایک رکن ڈاکٹر مصطفےٰ اسماعیل وصفی کی اس موضوع پر اہم تالیف "مصنفۃ النظم الاسلامیۃ" کے آخر میں مطبوع ہے!

——— اسی طرح انفرادی طور پر بھی بعض مفکرین نے اس موضوع پر اپنی تجاویز تحریری شکل میں پیش کی ہیں جو کتابی شکل میں بھی طبع شدہ موجود ہیں۔ جبکہ خاص اپنے ملک کی حد تک جن لوگوں نے یہ کوششیں کی ہیں ان میں سے قابلِ ذکر درج ذیل ہیں:

- جامعہ ازہر کی طرف سے مرتب قانونِ شریعت کے علاوہ ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی کی ایک سکیم کے مطابق مصر میں فقہی انسائیکلوپیڈیا کی تدوین ہوئی۔
- اُردن میں شریعت کے سول لاء کو ۱۵ سال میں مدوّن کیا گیا۔
- یمن میں مجلۃ الاحکام العدلیہ کی طرز پر ایک مجموعہ قوانینِ شریعت تیار کیا گیا۔
- متحدہ عرب امارات (ابوظبی) میں اسی طرح کا ایک شرعی مجموعہ قوانین رئیس القضاۃ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک کی زیرِ نگرانی تیار ہو رہا ہے اور جس کی پندرہ، سولہ جلدیں ہم نے چند سال قبل دیکھی تھیں۔
- کویت کی وزارتِ اوقاف نے بھی ایک فقہی انسائیکلوپیڈیا شائع کرنا شروع کیا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کی متعدد جلدیں منظرِ عام پہ آچکی ہیں۔

- پاکستان کی مشاورتی کونسل (اسلامی نظریاتی کونسل) بھی ربع صدی سے یہی کام کر رہی ہے۔

- ترکی میں سقوطِ خلافت کے دوران مصر کو ایسی کوششوں میں سبقت حاصل ہے۔ چنانچہ مصر نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۰ء تک ایک مجموعہ تیار کر لیا تھا۔ اگرچہ منظرِ عام پر آنے کے بعد وہ اختلافات کا اس قدر شکار ہوا کہ اسے سرد خانہ میں ڈال دیا گیا۔

ہماری نظر میں یہ سب کوششیں قابلِ قدر ہیں، لیکن چونکہ مقصد "تشریع" یعنی شریعت سازی تھا، لہٰذا یہ اس معیار کی ہرگز نہیں کہ انہیں تغیّر و تبدل سے محفوظ رکھ کر حتمی قانون کی حیثیت دی جا سکے۔ اس کی ایک ادنیٰ سی مثال آپ پاکستان کی موجودہ سیاسی حکومت کی پیش رو مارشل لاء حکومت سے لیجئے۔ جنرل ضیاء الحق نے مسلمانوں کے لئے نظام زکوٰۃ کا اعلان کیا تو شیعہ مخالفت پر تل گئے۔ اس پر جنرل صاحب کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ ہمارا یہ اعلان کوئی حکمِ الٰہی تو نہ تھا، جو بدلا نہ جا سکے۔ چنانچہ اس آرڈی نینس میں تبدیلی کر کے شیعہ کو نظام زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ حالانکہ سوچنے کی بات ہے، اگر یہ حکمِ الٰہی نہ تھا تو پھر کس اختیار کی بنا پر سُنّی مسلمانوں پر نظام زکوٰۃ نافذ کیا گیا، حتیٰ کہ وہ بیچارے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کی کٹوتی کے علاوہ بھی "زکوٰۃ" ادا کرنے پر مجبور ہیں۔

انتہائی سیدھی اور آسان سی بات یہ ہے کہ انسان شریعت سازی کا نہ تو مکلّف ہے اور نہ ہی یہ اس کے بس کا روگ ہے، بلکہ تشریع کا حق صرف اور صرف اللہ رب العزت کو ہے۔ چنانچہ شریعت اس نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمائی ہے، جو مرتب و مدوّن موجود ہے اور جس کی حفاظتِ ابدی کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ چنانچہ یہ بغیر کسی تغیّر و تبدل اور کمی بیشی کے تا قیامت نافذ رہے ہے ——— باقی رہے قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ اور قانونِ شریعت کے جدید مجموعے، تو وہ سب وحی سے ورے انسانی اجتہادات ہیں جو مختلف بھی ہوتے ہیں اور متعدد بھی۔ اسی طرح بعض اجتہادات، معاملہ کی نوعیت یا حالات کی تبدیلی سے بدل بھی جاتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی حیثیت مستقل نہیں ہو سکتی۔ پس فقہ و اجتہاد پر تشریع کا اطلاق، مداہنت ہے۔ کیونکہ شریعت مکمّل ہو چکی ہے اور تشریع کا یہ اختیار خلفائے راشدینؓ تک کو بھی نہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مہر کے تعین کے بارے میں ایک عورت حضرت عمرؓ کو برسرِ عام ٹوکتی ہے، اور آپؓ برا ماننے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں ——— اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید تفصیل ہم آئندہ تیسرے نکتے کے ذیل میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ! یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قانونِ شریعت کے نام پر کوئی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کوشش فقہ واجتہاد کی نوع سے ہوتی ہے جبکہ اجتہاد سے مراد حکمِ الٰہی کی تلاش ہے۔ لہٰذا وہ ایک اعتبار سے مجتہد کی اپنی ذات کے لئے، یا اس کے زیرِ سماعت قضیے کے فیصلے کی حیثیت سے فریقین کے لئے واجب التعمیل بھی ہوتا ہے، تاہم وہ شریعت نہیں ہوتا۔ شریعت صرف وحی الٰہی کا نام ہے، جبکہ اجتہاد فہمِ وحی کی قسم ہے۔ فی نفسہٖ وحی نہیں! —— پھر تدوین تو صرف ایک فنِ ترتیب ہے، جسے خالص فنی اعتبار سے اجتہاد کہنا بھی غلط ہوگا!

حاصل یہ ہے کہ اجتہاد، تدوین اور تقنین الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور ان کو باہم خلط ملط کرنے سے موضوعِ زیرِ بحث اختلافی بن رہا ہے، ورنہ اصل مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ وحی (شریعت) کے علاوہ کسی قدیم یا جدید اجتہاد کی تقلید ضروری ہے یا نہیں؟ —— اور علیٰ وجہ البصیرت ہمارا جواب نفی ہی میں ہے! —— لہٰذا ائمہ سلف کی تقلید کی مخالفت کرنے والوں کو یہ زیبا نہیں کہ وہ جدید انفرادی یا اجتماعی اجتہاد کی تقلید کی دعوت دیں۔

---

۲ —— دوسرا نکتہ، انفرادی اور اجتماعی تدوین کے تقابل اور پھر انفرادی اجتہاد سے پارلیمانی اجتہاد کے ارتقاء کا ہے —— اس سلسلہ میں ہم یہ گزارش کریں گے کہ اگرچہ بعض پہلوؤں سے اجتماعی اجتہاد جدید دور میں اہم نظر آتا ہے کہ اس کی بدولت قرآن وسنت کی بصیرت رکھنے والوں کے علاوہ معاشرتی علوم کے حامل اور جدید قانون کے ماہرین بھی اس میں شامل ہوسکتے ہیں۔ تاہم اندریں صورت، اس خطرہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ روحِ اجتہاد اس سے بُری طرح مجروح بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اجتہاد کا اصل مقصود "منشائے الٰہی کی تلاش" ہوتا ہے۔ جبکہ اجتماعی فیصلوں میں مفاہمت اور رواداری پر جس طرح زور دیا جاتا ہے، اس سے بسا اوقات، منشائے الٰہی پر لحاظ واحترام کی اقدار اثر انداز ہوتی ہیں۔

اسی نکتہ کے ضمن میں دوسری بات یہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ اجتماعی اجتہاد کی صرف وہ قسم حجت ہے جو "اجماع" کہلاتی ہے۔ اگرچہ اجماع کی تعریف سے لے کر اس کے انعقاد اور اس کی حجیت تک جملہ پہلو شدید اختلافی ہیں، تاہم یہ بات اجماع کی حجیت تسلیم کرنے والوں کے ہاں متفقہ ہے کہ اجماع صرف کل امت کا معتبر ہے کسی خاص علاقے کا نہیں۔ (واضح رہے کہ مالکیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اہل مدینہ کے اجماع کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں تو اس کی وجوہ بالکل دوسری ہیں) جبکہ ہمارے زیرِ بحث جو اجتہاد ہے وہ ایک خاص علاقے کی پارلیمنٹ کا ہے، جسے نہ اجماعِ امتِ مسلمہ کہا جا سکتا ہے اور نہ اس علاقے کے جملہ مجتہدین ہی اس میں جمع ہوتے ہیں۔ حالانکہ تمام مجتہدین کی اجماع میں شرکت لازمی ہوتی ہے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اجتماعی اجتہاد "جسے اجماع کہتے ہیں"، کسی خاص ادارے کا فیصلہ یا رائے نہیں ہوتی، جبکہ پارلیمنٹ ایک ادارہ ہے جس کا زیادہ سے زیادہ تعلّق اس مسئلہ سے ہے کہ حکومت شخصی کی بجائے ادارہ کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے، پھر حکومت شخصی (خلافت) ہو یا صدارتی اور پارلیمانی جمہوریت، پہلی صورت میں یہ نیابتِ رسول ہوتی ہے' اور دوسری صورت (پارلیمانی یا صدارتی جمہوریت) میں بھی نمائندگی، دعوے کی حد تک بھی، اقتدار کی ہوتی ہے' منشاء کی نہیں! — جیسا کہ اسمبلی کے بارے میں روسو کا مشہور قول ہے کہ:

"Power Can be transmitted but not the will!"

یعنی "(نمائندگانِ جمہور کو ایک محدود مدت کے لیے) اقتدار منتقل ہوتا ہے، منشاء و مرضی منتقل نہیں ہوتی!" — پس اس نکتہ کا بھی حاصل یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی اجتہاد اور شے ہے' اور حکومت کا شخصی و جمہوری ہونا اور شے! — رہا یہ سوال کہ خلافت اور جمہوریت جمع ہو سکتی ہیں؟ یعنی فرد کی بجائے منتخب نمائندگان کی جماعت خلافت کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے؟ تو اس کا زیادہ تر تعلق طرزِ حکومت سے ہے جو ایک الگ موضوع ہے۔ تاہم شریعت و اجتہاد کے بارے میں خلافت کے اختیارات پر ہم اگلے نکتے میں گفتگو کرتے ہیں۔

۳ —— اس موضوع پر فیصلہ کن نکتہ تیسرا ہے' کہ کیا اولی الامر کے احکامات کی پابندی کو تقلید کہا جا سکتا ہے؟

دراصل پارلیمنٹ کی طرف سے شریعت کی تعبیر یا شریعت کی قانون سازی، اور حکومت و عوام پر اس کی لازمی حیثیت ہی وہ بنیاد ہے کہ یہ اختیارات اگر خلیفہ یا امام کو حاصل ہیں تو جدید زمانہ میں پارلیمنٹ کو اس کے قائم مقام ہو کر یہی اختیارات مل سکتے ہیں۔ اس لیے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ خلیفہ کی اطاعت اور فقہ و اجتہاد کا فرق کیا ہے؟ —

قرآنِ کریم میں اولی الامر کی اطاعت کے بارے میں یہ آیت معروف ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۔" (النساء : ۵۹)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے صاحبانِ اختیار کی بھی — پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہمی نزاع ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ (بہت) اچھی (بات) اور انجام کے اعتبار سے بہت بہتر ہے!"

اس آیت میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اطاعت کے علاوہ اولی الامر کے بارے میں دو باتوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک ان کی اطاعت، اور دوسرے ان سے نزاع کے موقع پر فیصلہ کے لئے اللہ اور رسولؐ (یعنی کتاب و سنت) کی طرف رجوع! — مقام غور ہے کہ اگر نزاع و اختلاف میں بھی اولی الامر کی اطاعت فرض ہوتی، تو کتاب و سنت کی طرف رجوع کا کچھ معنیٰ ہی باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں خلفاء کے ساتھ مجتہدین کے جتنے بھی اختلافات ہوئے ہیں، ان میں خلفاء کو محض ان کے خلیفہ ہونے کی بناء پر کبھی بھی برحق قرار نہیں دیا گیا۔ بنو ہاشم کے بنو امیہ سے سیاسی اختلافات سے لے کر ائمہ اربعہؒ سمیت فقہائے سلف کے عباسی خلفاء سے متعدد اجتہادی مسائل میں اختلافات' تاریخ کا ایک اہم باب اور ائمہ کے اعلیٰ کردار کا حصہ ہیں۔ چنانچہ اگر خلیفہ کے اجتہاد کی بہرحال پابندی کا کوئی سوال موجود ہوتا تو یہ صاحب تقویٰ بزرگ کبھی اس سے دست کش نہ ہوتے — پھر "خلقِ قرآن" کا مسئلہ ہو یا "طلاقِ مکرہ" کا امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کو اذیت ناک سزاؤں اور ناقابلِ بیان تذلیل و تضحیک کا نشانہ بننے کی کیا ضرورت تھی؟ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کو قاضی القضاۃ کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کر کے جیل جانے اور اسی راہِ حق میں جان نذر کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی؟ جبکہ خلیفہ کا اجتہاد تو شرعی حیثیت رکھتا ہے اور قاضی القضاۃ کو رضائے الٰہی کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو راضی کرنے کا دوہرا فائدہ پہنچ سکتا تھا — لیکن امام صاحب نے یہ منصب قبول نہ کیا۔

دراصل اولی الامر کے اجتہاد کی پابندی کا یہ مغالطہ تعبیرِ شریعت اور انتظامی اختیارات کو خلط ملط کر کے پیدا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جہاں تک تعبیرِ شریعت کا مسئلہ ہے، یہ خالصتاً رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تھا، جو پورا ہو چکا اور جہاں تک ان اجتہادی مسائل کا تعلق ہے جو شریعت (کتاب اللہ) اور اس کی ابدی، متعین تعبیر (سنتِ رسول اللہ) کی تکمیل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد فقہاء یا خلفاء کو پیش آ رہے یا آ سکتے ہیں، تو ان کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک، ان کی منصبی یا ذاتی اور دوسری انتظامی اور تدبیری ـــــ اوّلین حیثیت سے خلفاء کو جو مسائل پیش آتے ہیں، ان کا تعلق حکومت سے ہو یا رعایا سے، اگر خلیفہ خود عالم دین ہے تو اپنے اجتہاد سے، ورنہ کسی معتمد عالم دین کے اجتہاد سے شریعت کا علم حاصل کر کے انہیں (انجام) دیتا ہے۔ جبکہ خلیفہ کی دوسری انتظامی اور تدبیری امور کی حیثیت وہ ہے کہ جس کے بارے میں قرآن کریم اطاعتِ اولی الامر کا (مشروط) حکم دیتا ہے ـــــ لیکن کبھی یہ ہر دو نوع کے امور باہم یوں خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان کی بناء پر اطاعتِ امیر اور تقلیدِ فقہی کے ایک ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے، جبکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔

الغرض، خلیفہ اگر عالم دین نہ ہو تو علمائے مجتہدین کی تقلید کو واجب قرار دینے والوں کے نزدیک اسے مجتہدین کی تقلید کرنی ہوگی۔ جبکہ مخالفینِ تقلید کے نزدیک اسے اہل علم سے مسئلہ سمجھ کر معاملہ کو حل کرنا ہوگا ـــــ ان دونوں صورتوں میں خلیفہ خود اتھارٹی قرار نہیں پاتا اور نہ ہی شرعی مسائل میں خلیفہ کو صرف اس کے خلیفہ ہونے کی بناء پر کوئی اتھارٹی قرار دینے کا قائل ہے، بلکہ اسے بہر صورت شریعت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی، خواہ وہ دوسروں سے سوال ہی کرے ـــــ قرآن کریم میں ہے:

"فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (الانبیاء: ۷)

کہ "اگر تمہیں خود علم نہ ہو تو اہل معرفت و حافظہ سے پوچھ لو!"

چنانچہ اس سلسلہ میں جیسے اہل علم سے پوچھنے کی بات ہے، ویسے ہی اہل علم سے تبادلۂ خیالات کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ "وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ" (ہر علم والے سے اوپر کوئی دوسرا عالم ہے ـــــ یوسف: ۷۶) کی رُو سے علم کی بے شمار قسمیں اور جہتیں ہیں۔ لہٰذا مذاکراتِ علمیہ سے انشراحِ صدر حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب اور دیگر خلفائے راشدین کا اپنے ساتھی علمائے صحابہؓ سے مسائل پر تبادلۂ خیالات اسی نوعیت کا تھا، جسے آج کل من مانی تعبیر سے مجلسِ شوریٰ کا اجتہاد باور کرایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظریہ کے حاملین کو حضرت ابوبکرؓ کی مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ اور جنگِ یمامہ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی بحیثیت سالارِ لشکر روانگی، ایسے فیصلوں کی تاویل کرنی پڑتی ہے کہ یہ نصوصِ شرعیہ کی تعمیل تھی۔ حالانکہ اصل بات انشراحِ صدر کی تھی ـــــ مسئلہ خواہ نص کا ہو یا اجتہاد کا، اگر بہ طے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شدہ شرعی امور ہوتے تو دیگر صحابہؓ کبھی بھی کوئی دوسرا اس کے خلاف مشورہ نہ دیتے۔ کیونکہ تعمیلِ شریعت کا جذبہ ان میں بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ــــ ہاں جب خلیفہ نے ان مسائل میں اپنا اطمینان ایک عزمِ صمیم کی صورت میں ظاہر کر دیا تو یہ صحابہؓ نہ صرف خاموش ہو گئے بلکہ اس کے فیصلہ میں اس سے بھرپور تعاون بھی کیا۔

چنانچہ یہاں معاملہ کی ایک دوسری نوعیت یہ بھی سامنے آتی ہے کہ خلیفہ کسی شرعی حکم کے بارے میں شرحِ صدر کے ساتھ جب کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو امت کو اس کی اطاعت کرنی پڑتی ہے، کہ اس کی حیثیت شریعت پر عملدر آمد کرنے کرانے کی ہے ــــ تاہم اگر مسئلہ میں اجتہادی اختلاف سامنے آ جائے تو خلیفہ کی ہر دو حیثیتیں الگ الگ واضح ہو جاتی ہیں۔ جس کی مثال حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے اختلاف سے دی جا سکتی ہے کہ جمع مال کے مسئلہ میں حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے تقلید پر تو مجبور نہ کیا، لہٰذا حکم شریعت وہی باقی رکھا جس کو وہ خود برحق سمجھتے تھے۔ لیکن انتشارِ فکری کے خوف سے انہیں مقام ربذہ میں بھیج دیا۔ تاہم انہیں اُن کی واضح غلطی کے باوجود رائے بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ واضح رہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مال جمع کرنے والوں کو بہر صورت "کنز" کی وعید کا مستحق قرار دیتے تھے، خواہ اس مال کی زکوٰۃ بھی دی جا چکی ہو۔ حالانکہ اس صورت میں زکوٰۃ اور وراثت کے کوئی معنیٰ ہی باقی نہیں رہتے۔

دراصل خلیفہ انتظامی معاملات کو انجام دیتے ہوتے جب شرعی اصولوں اور ہدایات کو عمل میں لاتا ہے تو اس اعتبار سے اس کی شرعی حیثیت خود شرع پر عمل درآمد کی ہوتی ہے، جس میں وہ اپنے منصبی فرائض بھی انجام دیتا ہے، لیکن رعایا کی حیثیت اس میں صرف اطاعتِ امیر کی ہوتی ہے۔ چونکہ بالفعل رعایا اس اجتہاد پر عمل کرتی نظر آتی ہے، لہٰذا اس کے اجتہاد کی لازمی حیثیت تقلید معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ خلیفہ اپنے اجتہاد پر عمل کرانے کے باوجود کسی عالم کو اپنے اجتہاد کے درست تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ لہٰذا علماء سمیت رعایا کی بالفعل اطاعت، لیکن ذہناً علمائے دین کا اپنے اجتہاد پر قائم رہنا، دو الگ الگ امر ہیں۔ جن کا لحاظ رکھنے سے اطاعتِ امیر اور تقلیدِ فقہی کا فرق واضح ہو گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم ان مغالطوں کی طرف بھی اشارہ کر دیں، جو جدید دانشوروں کو حضرت عمرؓ کے بعض اجتہادات کے سلسلے میں ہوتے ہیں اور جنہیں اولیاتِ عمرؓ کے نام پر خلیفہ کی طرف سے شریعت کی تبدیلی کا اختیار قرار دیا جاتا ہے۔ تفصیلی مثالوں اور ان کی توضیح کا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقع نہیں، مختصر یہ کہ ان میں سے بیشتر انتظامی اختیارات سے متعلق ہیں، جن کی تدبیر میں مصالح شرعیہ کا لحاظ رکھا گیا ہے اور بعض تقلیدی مذاہب میں جنہیں مصالح مرسلہ[1] کے اصول سے پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ انہیں اگر شریعت کے عمومی مصالح کے تحت تدابیر کا نام دیا جائے تو اس اختلاف سے بچا جا سکتا ہے جو تقلیدی مذاہب کو اکٹھا کرنے میں حائل ہے۔

بہرحال اس بحث سے حاصل یہ ہے کہ خلافت شخصی ہو یا پارلیمنٹ کو خلافت کے قائم مقام ٹھہرایا جائے، اس کا تعلق صرف تدبیر و انتظام سے ہے اور قواعد و ضوابط کا اختیار بھی خلیفہ یا پارلیمنٹ کو اسی حد تک ہے ۔ لیکن شریعت کے اندر اگر مداخلت ہو، تو خواہ یہ تدوین کے نام سے ہو یا اجتہاد کی پابندی کے نام پر، یہ امر و تقلید گوارا نہیں کی جا سکتی۔ پچھلی امتوں کی گمراہی کا باعث بھی یہی تھا۔ اور افسوس یہ امت بھی اسی راستہ پر جا رہی ہے! گزشتہ سطور میں تدوینِ بائبل کی مثال سے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا بِمَا عَلَّمْتَنَا وَعَلِّمْنَا مَا یَنْفَعُنَا وَزِدْنَا عِلْمًا!

بقیہ دو نکات پر گفتگو آئندہ ہو گی۔ ان شاء اللہ!

(مدیر)

---

[1] چونکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے ساتھ فرد و معاشرہ کے دنیاوی مصالح اور اخروی فلاح کا مکمل اہتمام فرما دیا ہے، لہٰذا ایسی مصلحتیں، جن کا خصوصی طور پر شریعت میں صریح ذکر نہیں ملتا کہ وہ معتبر ہیں یا لغو، انہیں بعض فقہاء نے مصالح مرسلہ (شریعت کی چھوڑی ہوئی مصلحتوں) کے نام سے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ جبکہ دوسرے فقہاء شریعت کے کمال کے نقطۂ نظر سے انہیں شریعت کی بنیادی روح اور عمومی مصلحتوں کے تابع شریعت ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں اور حضرت عمرؓ یا دیگر خلفائے راشدینؓ کے ایسے اقدامات کے لئے شرعی دلائل مہیا کرتے ہیں یا انہیں تدبیر و اجتہاد کی قبیل سے سمجھتے ہیں، جس کی اجازت شرعی اصول و ضوابط کے تحت کتاب و سنت میں موجود ہے۔

قلمی معاونین سے خصوصی گزارش ہے کہ مضامین صاف ستھرے کاغذ پر اس کی صرف ایک طرف تحریر فرمائیں ۔ شکریہ!

واضح رہے کہ مطبوعہ مضامین محدث میں شائع نہیں کئے جائیں گے ۔ والسلام!

© rasailojaraid.com